باقیاتِ اقبال فارسی کا جائزہ

An overview of Iqbal’s Persian Remnants

حسن رضا[1],ڈاکٹر محمد افضل حمید[2]

Abstract:

Every great creative artist revises his art and sometimes sorts out the essentials in this work of art. Allama Muhammad Iqbal, like his Urdu Kalam, has also chosen his Persian poetry strictly. There are several reasons for this choice. He was a prolific poet. Sometimes a part of a poem or a Masnavi would have to be cut if it exceeded the appropriate limit. Sometimes the poet feels the need for a partial or total change after he has composed it. Sometimes his poetry is an emotional and immediate reaction to an event that he may not later find appropriate. Poets also write temporary poems for their friends, which do not find a place in their work later. Allama Iqbal also deliberately ignored many poems while compiling Persian works. While studying the personality of Iqbal in modern times and the evolution of his ideas, it is very important to collect the remnants of his Persian poetry.

KEYWORDS:

ALLAMA IQBAL; OBSOLETE WORKS; IQBAL’S PERSIAN REMNANTS, AMENDED WORKS; PERSIAN POETRY

فکرِ اقبال کی تفہیم کے لیے باقیات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ اقبال کی ہمہ جہت وہمہ رنگ شخصیت اور کثیر الجہات شاعری کے گوناگوں پہلوؤں پر مختلف زاویہ ہائے نگاہ کے تحت بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اقبال کی زندگی کا ہر پہلو چونکہ خالص و پاکیزہ ہے، ان کی شفاف شخصیت ان کے اندرون اور ان کی سیرت کی آئینہ دار ہے۔ 📂✇📁📂ءسے 🗄📁✇📂ءتک کا زمانہ اقبال کا زمانۂ شباب تھا۔ شاعری کے اعتبار سے تو اسے عنفوانِ شباب ہی کہہ سکتے ہیں اور اس سفر میں انھیں کہیں ٹھوکریں بھی کھانا پڑی، کہیں کہیں حوادثِ زمانہ اور نشیب و فراز نے انھیں جذباتی بنایا اور کہیں بادِ مخالف نے ان کے قلب وذہن کو مرتعش بھی کیا اور کبھی کبھار ایسے بھی مواقع آئے کہ انھیں کسی موضوع کے کہنے کی جسارت تو ہوئی مگر بادِ مخالف آڑے آئی اور حذف واضافہ سے کام لینا پڑا۔ شاعری کے ابتدائی دور میں قومیت ووطنیت کے آئینے میں ہی بات کرتے رہے اور وقت آنے پر چند ایک خیالات و نظریات کو محو نظر کرنا پڑا۔

ایک دور ایسا بھی تھا جس میں دوسری جنگِ عظیم کے نقوش اس کی نظروں کے سامنے تھے۔ کہیں آگے چل کر عجمی فلاسفہ کے منفی رجحانات نے بھی انھیں بغاوت پر اکسادیا تھا اور جنگی پیمانے پر قوم وملک کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے پر بھی آمادہ کیا۔ لہٰذا ان باتوں کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خلاّقانہ زندگی کئی ایک دور سے گزر گئی۔ جس کی بِنا پر کہیں کہیں زندگی کے مختلف ادوار میں اپنے کلام کو حذف واضافہ کے ساتھ پیش کرنا پڑا۔ جو کلام باقی بچا فنی اعتبار سے ابدیت کا مقام پایا جو حوادثِ زمانہ کی نذر ہونے سے بچ گئے، وہ باقی ماندہ شاعری ہے۔ متروک کلام، غیر مطبوعہ یا فراموش شدہ شاعری نے "باقیاتِ اقبال "کا نام پا کر فن پارے کی شکل اختیار کی۔

یہ باقیات کوئی Redundant یا متروک العمل کام نہیں بلکہ بنظرِ غائر مطالعہ کے بعد قاری کو کبھی کبھار علامہ کے باقاعدہ کلام کے مقابلے میں باقیاتِ اقبال میں زیادہ ہی رفعت تخیل نظر آتا ہے اور اسرار ومعانی کی روشنی میں اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا باقیاتِ اقبال کوئی Obseiete شاعری نہیں بلکہ ان کی خلاقانہ ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ دراصل اقبال کی باقیات کے مطالعہ سے اس بات کا پورا احساس ہوتا ہے کہ انسان کا ذہنی ارتقاء اس کے داخلی محرکات اور خارجی عوامل کے تابع ہوتا ہے۔ ہر انسان اپنی پیدائش سے لے کر وفات تک عمرِ طبعی کی مختلف منزلوں سے گزرتا ہے جس کے ساتھ ذہنی شعور میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ تجربات ومشاہدات کے ساتھ خیالات میں تغیر وتبدل کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ کچھ باتیں گریز پا ثابت ہوتی ہیں، بعض نئے حقائق سامنے آتے ہیں۔ انسان کے ذہن میں

---

[1] پی ایچ ڈی سکالر اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

[2] ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

خیالات کا ایک محشر برپا ہوتا ہے، ان میں بعض خیالات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور بعض خیالات پختہ ہو کر نظریئے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جن کی پیش رفت کے لیے انسان اپنی استعداد اور بساط کے مطابق کوشش کرتا ہے۔ پھر انحطاط عمر اور ضعف جسمانی کے ساتھ قوائے ذہنی میں بھی نمایاں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور بالآخر انسان اپنی حیاتِ طبعی کے ان نشیب و فراز سے دوچار ہوتا ہوا اس جہانِ فانی سے گزر جاتا ہے۔

تمام انسانوں کے بارے میں شاید یہ کہا جا سکتا ہے لیکن اقبال کا شعور و احساس ان کے جذباتی و روحانی تجربات اور ماحول کے اثرات اور ان کے ردِ عمل سے گزرتا ہوا جب مناسب اظہار کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو انسان کی تہذیبی تاریخ کے تسلسل کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ بن جاتا ہے۔ اقبال کا شمار ایسے ہی نابغۂ روزگار افراد میں ہوتا ہے جن کے فکری و فنی نقوش میں رنگِ ثباتِ دوام نمایاں ہے۔ یہ ایک مسلّمہ اَمر ہے کہ شاعر دورانِ سفر کبھی رہ گزر سے ہٹ بھی جاتا ہے اور کہیں کہیں رہرو کی تلاش میں شاہراہ سے اُتر کر اِدھر اُدھر بھی بھاگنے کی سعی کرتا ہے۔ اقبال کے تخلیقی سفر میں ایسے بھی ادوار گزرے ہیں جن کے تلخ تجربات نے انھیں اپنے زمانے سے آگے کے زمانے کا اقبال بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے انھی تجربات و مشاہدات نے انھیں برصغیر کا ایک نمائندہ شاعر و فلسفی بنا دیا۔

اقبال نے بنفسہٖ کہیں کہیں دانستہ طور پر اپنی شاعری کے ایک مختصر سے حصے کو منظرِ عام پر لانے کی شعوری کوشش کی اور اُن کے ہاں کہیں کہیں اپنے محبوب افراد کے ساتھ توصیف میں مبالغہ دیکھنے کو ملتا ہے: مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں یہ فرماتے ہیں: 'سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت' (1) اور مولانا گرامی کے لیے یوں رطب اللسان ہیں: 'آں کہ زد فکر بلندش آسماں را پشت پائے' (2) جب کہ حالی کے بارے میں یوں گویا ہوتے ہیں: 'میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا' (3) اس طرح سے شاعر کبھی کبھار مبالغہ سے کام لے کر رائی کو پہاڑ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا لیکن آگے چل کر اصلاح و ترمیم کا کام بھی خود ہی نبھاتا رہتا ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں فارسی زبان کے مطلع ادب پر اقبال کا ظہور ہوا تو برصغیر میں سیاست، مذہب، فلسفہ، شاعری اور ادب کی متعدد لہریں آپس میں متصادم ہو چکی تھیں۔ اس مد و جزر میں اقبالیاتی ادب بھی ہچکولے کھاتا ہوا بالآخر ٹھکانے لگ گیا مگر اس اتار و چڑھاؤ میں اکثر خیالات کنارے لگ گئے اور کئی ایک متصادم لہروں کے ساتھ بہہ گئے۔ وہ خیالات و احساسات و تخیلات جو کبھی جذبات کی رو کے ساتھ اور کبھی جوانی کی سرمست لہروں کے ساتھ بہہ گئے تھے۔ اقبال انھیں یکسر اپنے متداول کلام سے خارج کرتے اور مزید ان کی جگہ مناسب خیالات و افکار پر مبنی تصورات کو اپنے کلام کا حصہ بناتے۔ شعری و فنی بالیدگی کے آئینے میں اگر دیکھا جائے تو بیشتر اشعار سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ باقیاتِ اقبال ان کے کلام کا وہ مجموعہ ہے جو ان کی مطبوعہ تصانیف میں درج نہیں ہے۔ جب علامہ کو اُردو کلام کے پہلے کلیات کے شائع کرنے کا خیال آیا تو جو نظمیں بآسانی دستیاب ہو سکیں یا جو ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں صرف وہی نظمیں اس میں شامل کر دی گئیں۔

اقبال کا اپنی زندگی کے دوران یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنا کلام دوست احباب کو ارسال کیا کرتے تھے جس کی مثال ہمیں منشی سراج الدین مرحوم کی ضخیم بیاضوں کا معائنہ کرنے سے ملتی ہے۔ سید عبد الواحد معینی کی کتاب "باقیاتِ اقبال" میں اس بات کا حوالہ ملتا ہے کہ جب عبد الواحد معینی باقیاتِ اقبال کی جمع و تدوین کے سلسلے میں سری نگر تشریف لے آئے تو یہاں منشی سراج الدین مرحوم کی ضخیم بیاضوں میں علامہ کی بہت سی غیر مطبوعہ نظمیں ملیں۔ (4) منشی صاحب کو قدرت نے شعر و سخن کا عجیب مذاق عطا کیا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہے سرینگر ان کی وجہ سے ایک ادبی مرکز بنا رہا۔

علامہ اقبال سے ان کے نہایت دوستانہ تعلقات تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ اقبال ان کو اکثر اپنا کلام بھیجتے رہتے تھے۔ منشی صاحب ان کے خطوط کو جن میں علامہ کا کلام ہوتا تھا نہایت احتیاط سے بیاض میں چسپاں کر کے رکھ لیا کرتے تھے، شیدایانِ اقبال نے وقت وقت پر دشواریوں کا سامنا کر کے ان کے منتشر و متفرق اشعار کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بالآخر یہ غیر مطبوعہ اشعار جمع و تدوین کی منازل طے کر کے "رختِ سفر (1952ء)"، "باقیاتِ اقبال (1953ء)"، "سرودِ رفتہ (1959ء)"، " تبرکاتِ اقبال (1959ء)"، "نوادرِ اقبال (1962ء)" اور "روزگارِ فقیر جلد دوم (1963ء)" کے زیرِ عنوان کتابی شکل اختیار کر گئے اور بہت سا کلام، اقبالؒ کی ذاتی بیاضوں اور مسودات میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ علامہ کے بعض احباب کی ذاتی بیاضوں میں بھی باقیاتِ اقبال (فارسی) کا کافی حِصہ موجود ہے۔

اقبال نے خواجہ حافظ شیرازی کو عجمی ادبیات کا نمونہ سمجھ کر اسے اپنی شدید تنقید کا ہدف بناتے ہیں۔ حافظؔ پر شدید تنقید کا جواز پیش کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں کہ اُن کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری کے دل پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ قوائے حیات میں ضعف پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے حافظ کے کلام کو قوم کے حق میں مضرتِ رساں قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ "اسرارِ خودی" کے پہلے ایڈیشن میں 35 ایسے اشعار ہیں جن میں لسان الغیب حافظ شیرازی کو زبردست تنقید کا ہدف بنایا گیا ہے۔ اس پر اقبال کو ہزیمت بھی اُٹھانا پڑی اور اس زمانے کے شعرا و ادبا پر عجمی فلاسفہ کا ایک بڑا کاروان ان کے خلاف ہو گیا۔ لہٰذا حذف و اضافہ کے ساتھ اقبال نے

"اسرارِ خودی" کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ مثنوی اسرارِ خودی کے دوسرے ایڈیشن کے دیباچے کا مطالعہ کرنے کے بعد اقبال کی ہمہ پہلو شخصیت کے مختلف ادوار کا تعین ہوتا ہے۔ اقبال خود رقمطراز ہیں:

> "اس مثنوی کی پہلی ایڈیشن 📂🖲📂🗄ء میں شائع ہوئی تھی اور دوسری ایڈیشن اب ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ بعض جگہ لفظی ترمیم اور بعض جگہ اشعار کی ترتیب میں فرق ہے اور ایک آدھ جگہ تشریحِ مطالب کے لیے اشعار کا اضافہ ہے لیکن سب سے بڑی ترمیم یہ ہے کہ اس ایڈیشن سے وہ اشعار خارج کر دیے گئے ہیں جو خواجہ حافظؒ پر لکھے گئے تھے۔ اگرچہ اس سے محض ایک ادبی نصب العین کی تنقید مقصود تھی اور خواجہ حافظؒ کی شخصیت سے کوئی سروکار نہ تھا، تاہم اس خیال سے کہ یہ طرزِ بیان اکثر احباب کو ناگوار گزرا ہے، میں نے ان اشعار کو نکال کر ان کی جگہ نئے اشعار لکھ دیئے ہیں جن میں اس اصول پر بحث کی ہے جس کی رُو سے میرے نزدیک کسی قوم کے لٹریچر کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا چاہیے۔"(🗄)

اس میں حافظ شیرازی کو ہدف تنقید بنانے والے 🗏🗄 اشعار حذف کیے گئے تھے۔ نمونہ کے لیے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

هوشیار از حافظ صهبا گسار
جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار
نیست غیر از بادہ در بازارِ او
از دو جام آشفتہ شد دستارِ او
چوں خراب از بادۂ گلگوں شود
مایہ دار حشمت قاروں شود
مفتی اقلیم او مینا بدوش
محتسب ممنون پیرِ مے فروش(⌛)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اقبال کی غیر مطبوعہ شاعری کا معیار کیسا ہے؟ کیا یہ شاعری کے معیار پر پورا اُترتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے باقیات میں رہنے کی کیا وجہ ہے؟ بظاہر وجہ عیاں ہے کہ علامہ کے زمانہ میں اس کی شیر ازہ بندی نہ ہو سکی اور دور افتادہ دوست و احباب کی بیاضوں میں بند پڑے یہ اشعار کلیات میں جمع نہ ہو سکے۔ کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن کو اقبال نے دیدہ و دانستہ متروک العمل گردانا۔ لہٰذا ان اشعار کو اپنے منضبط کلام میں جگہ نہ دی۔ باقیات میں کچھ ایسے اشعار نظروں سے گزرے ہیں جن کی اگر شاعرانہ تقطیع کی جائے تو ضرور کوئی فنی سُقم یا ثقل نظر آئے گا۔

کئی اشعار غیر سنجیدہ کوشش کے آمیزے ہیں اور بعد کی متانت و سنجیدگی نے اُن کو ترک کروایا اور اکثر اشعار معیار پر کھرا اُترنے کے باوجود بھی فراموش شدہ غیر مطبوعہ ہیں جن کو سپردِ قرطاس کرنے میں زمانے کے حوادث آڑے آئے ہیں۔ اُس زمانے میں نامعلوم گوشوں تک جانا اور بھولی بسری صحبتوں کو پھر سے تازہ کرنا ایک آسان کام نہیں۔ اب چونکہ ادبا و ناقدین کی کاوشوں اور کوششوں کے طفیل اقبال کا بہت سارا غیر مطبوعہ کلام منظرِ عام پر آچکا ہے جس کا محاکمہ کرنا وقت کی عین ضرورت ہے۔ اقبال کی فراموش شدہ صحبتوں کو پھر سے ریویو کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ باقیات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے۔ خزینۂ افکار کی کنجیاں تلاشنے کا یہ بھی ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔ باقیات کے مطالعہ سے اقبال کی ہمہ پہلو شخصیت کے کئی گوشوں کا پتہ چل سکتا ہے۔ اقبال چوں کہ حال، ماضی و مستقبل کے شاعر ہیں لہٰذا اُن کے افکار و خیالات کو جاننے کے لیے کلیاتِ فارسی اور اس کے "باقیات" کا جاننا بھی ضروری ہے۔

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا(🖮)

–

مولانا غلام رسول مہر نے "سرودِ رفتہ" (📂🖲🗄🖲ء) کے مقدمہ میں کلامِ اقبال کو ترک کرنے کی بہترین توجیہ و تاویل پیش کی ہے۔

> "اقبال نے اپنی بعض شاعری کو اولاً اس وجہ سے اپنے مستند مجموعۂ کلام میں شامل کرنا پسند نہ فرمایا کہ جس زمانے میں بانگِ درا مرتب ہوئی، شعر و سخن کے باب میں ان کا معیار بہت بلند ہو چکا تھا اور یہ کلام اس معیار پر پورا نہ اُترا تو اسے ترک کرنا پڑا، اور علامہ بندشِ الفاظ اور اسلوبِ بیان کے سلسلے میں بڑے ہی سخت تھے۔" (🖰)

> "اقبال صرف اسی کلام کو محفوظ رکھنے پر رضامند تھے جو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے کائناتِ انسانیت کے لیے مفید ہو سکتا تھا یعنی ان کے خاص پیغام خاص تعلیم اور حقائقِ حیات کا حامل تھا۔ جن کے ذریعے سے انسان اپنے حقیقی وظائف و مقاصد بہتر طریق پر بجالانے کا اہل بن سکتا تھا۔ جو کلام موضوع، فکر و خیال اور ترتیب و ترکیب کے لحاظ سے اس میزان پر پورا نہ اُترتا تھا، انھیں محفوظ رکھنے کے لیے وہ تیار نہ تھے۔" (🖲)

مہر کی یہ دونوں تاویلیں درست ہیں۔ اقبال نے نہ صرف وہ نظمیں اور غزلیں حذف کیں جو معیار فن پر پوری نہیں اترتی تھیں بلکہ ان نظموں اور غزلوں کے وہ متفرق اشعار بھی حذف کر دیئے جن پر زبان و فن کے اعتراضات کیے گئے تھے۔ دوسری وجہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ متعدد نظمیں اس لیے ترک کر دی گئیں کہ وہ ان کے بعد کے نظریات سے ہم آہنگ نہ تھیں۔

انھوں نے عطیہ فیضی کے نام ایک خط مورخہ 🖮 جولائی 📂🖲📂📂ء میں اپنے کلام کی اشاعت کے سلسلے میں لکھا:

> "میری سب سے بڑی دقّت یہ ہے کہ میں اشاعت کے لیے کون سے نظموں کا انتخاب کروں۔ گذشتہ پانچ چھ سالوں کے دوران میں نظمیں زیادہ تر پرائیویٹ نوعیت کی رہی ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ پبلک کو ان کے پڑھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ان میں سے بعض کو تو میں نے کلیۃً تلف کر دیا ہے اس ڈر سے کہ کہیں کوئی انھیں چرا کر نہ لے جائے اور شائع نہ کر دے۔" (📂📁)

اقبال کے منسوخ کلام کے مرتّبین نے عموماً اور بالخصوص "سرودِ رفتہ" کے مرتب غلام رسول مہر نے پُر اعتذار جواز پیش کیا ہے کہ جس کلام کو شاعر نے قلم زد کر دیا، اسے منظرِ عام پر کیوں لایا جائے۔ اقبال کے منسوخ کلام کی اشاعت کے بعد کسی قسم کے جواز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہاں ناقدین اقبال پر اتنی تحدید لازم آتی ہے کہ وہ منسوخ کلام کی بنا پر شاعر پر کوئی اعتراض نہ کریں۔ اس سے باز پُرس نہ کریں، اس کو سامنے رکھ کر اس کے پیغام کو دھندلا کر نہ دیکھیں۔

اقبال کے محذوف کلام میں نظمیں بھی ہیں، غزلیں بھی ہیں، مکمل تخلیقات بھی حذف کی گئیں اور نظموں اور غزلوں کے اجزا بھی، جو ایک دو شعر سے لے کر تخلیق کے بیشتر حصے تک کے ہیں، ان پر نظر ڈالنے سے دو باتیں صاف ہو جاتی ہیں۔

📂۔ کئی طویل نظمیں منسوخ کی گئیں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شعوری انتخاب کی زد میں آئیں۔ ایسا بعض دوسری نظموں اور غزلوں کے ساتھ بھی ہوا ہو گا۔

📄۔ بعض محذوف اشعار اس قدر اچھے ہیں کہ انھیں حذف کرنے کی واحد وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ "اسرارِ خودی" و "پیامِ مشرق" کی تدوین کے وقت وہ شاعر کے ذہن و نظر سے اوجھل تھیں۔

متفرق اشعار کے قلم انداز کرنے کی وجہ قیاس کی جا سکتی ہے لیکن متعدد دوسری صورتوں میں کوئی معقول توجیہہ نہیں ہو سکتی۔ ذیل میں تنسیخ کے عمل کی وجوہ پر غور کیا جاتا ہے۔ چوں کہ مضمون نگار فنکار کے درون میں نہیں جھانک سکتا اس کے تخلیقی عمل کے ارتقا اور اس کی ترجیحات کا عرفان نہیں رکھتا اس لیے ضروری نہیں کہ اس کی توجیہہ شاعر کے واقعی عندیے کو پیش کرتی ہو۔ دوسرے قارئین اور ناقدین ان کے حذف کی کوئی دوسری وجہ قیاس کر سکتے ہیں۔

انجمنِ کشمیری مسلمانانِ لاہور کا پہلا جلسہ فروری 📂🖰🖲⌛ء میں ہوا۔ اس میں اقبال نے ایک نظم "فلاحِ قوم" پڑھی جس میں خود کو کشمیری قوم سے وابستہ کیا۔ انھیں دنوں انجمن میں کشمیر سے متعلق نو قطعات پڑھے۔ بعد میں ان سب کو خارج کر دیا کیوں کہ ان سے علاقائیت کی بُو آتی تھی۔ ابتداء ہی میں اقبال کو ناقدین کے اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔ وجہ ظاہر تھی کہ اس وقت شاعری کا معیارِ نقد ہی کچھ ایسا تھا کہ الفاظ اور قواعد کا بے حد خیال رکھا جاتا تھا۔ علامہ نے دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں سے الگ ایک راہ نکالی لیکن قدامت پرست ذہن جدید اسالیب بیان کو کس طرح آسانی سے قبول کر لیتے۔ 'اُودھ پنچ' ان اعتراضات میں پیش پیش تھا۔ اس رسالے نے مولانا الطاف حسین حالؔی اور داغ دہلویؔ کے کلام پر اعتراضات کر کے اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی تھی۔ ان تنقیدوں میں لچر پن اور ابتذال نمایاں

تھا۔ چنانچہ جب انھیں شاعری کے میدان میں اقبال کا قد بڑھتا ہوا محسوس ہوا تو انھیں نکتہ چینی کے لیے ایک نیا میدان ہاتھ آیا۔ اقبال نے ان اعتراضات کے ضمن میں فوقؔ کو لکھا:

> "لکھنؤ والے اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار یا مضمون آفرینی نہیں۔ نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں۔ جسے روزی کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی، میرا مقصود گاہ گاہ نظم لکھنے سے صرف اس قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس۔" (📂📂)

کلامِ اقبال کی پختگی کے باوجود اعتراضات کا سلسلہ جاری رہا۔ فروری 📂✇📂✇ء میں کرنل بھولا ناتھ نے علامہ کے فارسی کلام پر اعتراضات کیے۔ جس کے جواب میں خواجہ عبدالواحد ندوی نے زمانہ کانپور کی اشاعت مارچ 📂✇📂✇ء میں ایک مضمون لکھا۔ 🗎✇ اپریل 📂✇📂✇ء کو ایک دفعہ پھر اودھ پنچ نے اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ علامہ کے کلام پر یہ اعتراضات رگِ سنگ سے لہو نچوڑنے کے مترادف تھے۔ ان کی نظمیں / غزلیں رسائل میں غلط متن کے ساتھ شائع ہوتی تھیں۔ جن پر معترضین کو اعتراض کا موقع ملتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ ان کی نظمیں اجازت کے بغیر چھاپ دیتے تھے۔ فوق کے نام ایک خط میں رقم طراز ہیں:

> "نظم زیرِ تنقید میری ابتدائی نظموں میں سے ہے۔ اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترضین نے ان میں سے ایک بھی صحیح اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے۔ کم از کم مجھے پروف ہی دکھا لیا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔" (📂🗎)

یہ بات درست نہیں کہ علامہ ان تنقیدوں سے مستفید نہیں ہوتے تھے۔ نیک نیتی پر مبنی ہر تنقید کو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بعض مفید مشوروں کو مان لیتے تھے۔ اپنی لاعلمی کے اظہار میں انھیں کوئی عار نہ ہوتا تھا۔

میاں بشیر احمد ایڈیٹر "ہمایوں" راوی ہیں:

> "ایک روز میں نے عرض کی ہے کہ ایک نقاد دوست نے آپ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے کہ لفظ مینا مونث نہیں مذکر ہے۔ مجھے بھی اس اعتراض پر تعجب ہوا۔ کیونکہ مینا شکل و صورت اور آواز سے مونث معلوم ہوتی ہے۔ علامہ نے علی بخش کے ذریعے رسالہ تذکیر و تانیث منگوایا اور جب اس سے مطلوبہ سند نہ ملی تو فرمایا۔۔۔ ایسی غلطیاں مجھ سے ہو جاتی ہیں۔" (📂🗏)

امداد صابری نے جب ان اعتراضات کے متعلق علامہ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا:

> "میرے پاس ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں۔ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ اُردو میری زبان نہیں۔ لکھنؤ اور دہلی والے اہلِ زبان ہیں۔ مجھے تسلیم ہے مگر لوگ مجھ پر ظلم کرتے ہیں کہ مجھ کو شاعر سمجھتے ہیں اور میری تحریر میں شاعرانہ نکتہ سنجیاں ڈھونڈتے ہیں۔ اس کا ذکر تم کو یاد ہو گا کہ میں نے اپنے اُردو اور فارسی کلام میں کئی جگہ کیا ہے۔ جو بات میں کہتا ہوں اگر اس کی اُردو درست نہیں ہے تو اہلِ زبان کو اجازت ہے کہ وہ اُردو صحیح کر کے پڑھ لیں۔ مگر میری بات سُنیں ضرور۔۔۔ (اُردو) زبان کا دامن تنگ ہے اور ان مضامین کے متحمل نہیں جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کاش میرے نقاد الفاظ سے گزر کر معانی اور مطالب پر غور کریں اور مجھ کو بجائے شاعر سمجھنے کے اقبالِ اسلام کا پیامی سمجھیں۔" (📂🗐)

اقبالؒ نے ان تنقیدوں کا فائدہ اٹھایا اور اپنی شاعری کے فنّی پہلوؤں پر زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فنّی اعتبار سے ان کے کلام کا مقام و مرتبہ بلند ہوتا گیا۔ جو نظمیں اور غزلیں اشاعت کے لیے منتخب بھی ہوئیں ان کے ایک چوتھائی اشعار حذف کر دیئے گئے۔ اس ضمن میں ایک حقیقت بہر حال ذہن نشین

رہنی چاہیے کہ علامہ کے پاس اپنا تمام کلام محفوظ نہ تھا۔ دوم جو نظمیں مکمل طور پر ترک کر دی گئیں ان کے تمام متروک اشعار قابلِ گردن زدنی نہ تھے۔ ان نظموں یا غزلوں میں ایسے اشعار بکثرت موجود ہیں جو علامہ کے عمومی اسلوب اور نظریات سے مختلف نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے متداول کلام سے زیادہ بلند پایہ ہیں۔ ان میں ہمہ گیری اور آفاقیت کا جوہر بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ باقیاتِ اقبال کا مطالعہ اسی تناظر میں کرنا چاہیے اور اسے اقبال اور فکرِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں سمجھتے ہوئے علامہ کے ذہنی ارتقاء کی صحیح کیفیت کو سامنے لانا چاہیے۔

علامہ کا کلام مختلف رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ بعض رسائل کو علامہ اپنا کلام خود بھیجتے تھے لیکن اکثر رسائل علامہ کا کلام دوسرے رسائل سے بغیر حوالے کے نقل کر لیتے تھے جس کی وجہ سے بعض اغلاط راہ پا جاتی تھیں۔ چنانچہ جب 📂🖲📂🗏ء میں علامہ نے "مثنوی اسرارِ خودی" کے کلام پر نظر ثانی کی تو ان میں اغلاط کو دور کر دیا گیا۔ اس سے بعض اشعار کے ضمن میں اس غلط فہمی نے جنم لیا کہ علامہ نے اپنے کلام پر اصلاح کی ہے۔ حالانکہ ان کو اصلاحات کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ علامہ کوئی نظم لکھ رہے ہوتے تھے اور شیخ عبدالقادر اقبال کی یہ نامکمل نظم لے کر "مخزن" میں شائع کر دیتے۔ اس طرح کی نظموں پر علامہ کو نظر ثانی کا موقع بھی نہیں ملتا تھا۔

رسائل میں چھپنے والا تمام کلام اقبال نے اشاعت کے لیے خود نہیں بھیجا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ علامہ کسی محفل میں اپنی نظم سنا رہے ہیں اور ان کے کلام کے شائقین لکھتے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس طرح لکھنے میں بعض اغلاط واقع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ نظمیں اپنی تمام تر اغلاط کے ساتھ کسی رسالے میں چھپ جاتیں اور یوں علامہ کو اپنے معترضین کے اعتراضات پر خفت اٹھانا پڑتی۔ اس کے بعد تو علامہ نے ایسے رسائل کے ایڈیٹروں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا فیصلہ کر لیا۔ اس معاملے میں وہ اس قدر سخت تھے کہ اپنے دوستوں سے بھی برہم ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ امتیاز علی تاج نے انجمن حمایت اسلام کے ایک جلسہ میں سنائی جانے والی کچھ نظمیں نقل کر کے اپنے رسالہ "کہکشاں" میں شائع کر دیں۔(📂🗄) چنانچہ علامہ نے انھیں قانونی نوٹس دیا۔ جس کے بعد مشکل سے ان کی گلو خلاصی ہوئی۔ اس طرح کا واقعہ عبدالمجید سالک کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جنھیں رسالہ "فانوسِ خیال"(📂⌛)میں علامہ کے کلام کی اشاعت پر نوٹس دیا گیا تھا۔

متروکاتِ اقبال کے ذخیرہ میں بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو علامہ نے از راہِ محبت دوسروں کو بخش دیے تھے اور اپنے کلام میں انھیں شامل نہیں کیا۔ اس طرح کا ایک واقعہ 'دبستانِ اقبال' میں رسالہ ہمایوں مئی 📂🖲🗏🖲ء کے حوالے سے نقل ہوا ہے۔ علامہ کے خط محررہ 📂🖲 فروری 📂🖲🗏🖮ء میں بھی اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے(📂🖮)۔ ہمارا اشارہ ایک رباعی کی طرف ہے جو مولوی ابراہیم سب جج گوجرانوالہ نے صوفی محمد رمضان عطائی سینئر انگلش ٹیچر (گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازی خان) کو سنائی تھی۔ محمد رمضان عطائی پر اس رباعی کا اتنا اثر ہوا کہ آپ گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ بعد میں علامہ اقبالؒ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ وہ رباعی انھیں بخش دی جائے۔ اقبال نے کمال فیاضی سے یہ رباعی محمد رمضان کو بخش دی اور اسے اپنے کلام سے خارج کر دیا۔ وہ رباعی درج ذیل ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم مَن فقیر
روزِ محشر عذر ہائے مَن پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر(📂🖰)
–

علامہ نے اس مضمون سے مطابقت رکھنے والی ایک اور رباعی لکھی جو "ارمغانِ حجاز" صفحہ 📂🖰 پر شامل ہے۔

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر(📂🖲)
–

اپنے کلام پر اصلاح اور متروکات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایڈیٹر صاحبان کو علامہ کی تحریر پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ چنانچہ بعض الفاظ یا مصرعے غلط چھپ جاتے تھے۔ مجموعہ کی ترتیب کے وقت علامہ ان مصرعوں کو درست کر لیتے تھے جسے بعض حضرات اصلاح سمجھ لیتے تھے۔ مثال میں وہ قطعہ پیش کیا جا سکتا ہے جو"

سرودِ رفتہ "(📄📁)میں چھپا ہے۔ اس قطعہ کے تیسرے مصرعے میں لفظ "یعنی" لکھا ہوا ہے جسے ضیاء الدین برنیؔ نے آج سمجھا ہے (📄📂📄)حالانکہ اس قطعہ کا عکس اس کتاب میں موجود تھا۔

اقبال کی دیگر منظومات کے ترک کرنے کی وجوہ مختلف ہیں۔ "خلافت اور ترک عرب" اس لیے متروک کر دی گئی کہ علامہ کو اشعار کی بندش کچھ زیادہ پسند نہیں آئی۔ چونکہ بعض نظمیں علامہ کے ذہن کو کم اور سامعین کے ذہن اور سوچ کو زیادہ منعکس کرتی تھیں اس لیے علامہ نے انھیں اپنے کلام میں شامل نہیں کیا۔ بعض نظمیں فرمائشی نوعیت کی تھیں اور ان میں مقامیت زیادہ آفاقیت کم تھی لہٰذا انھیں بھی ترک کر دیا۔ ان نظموں میں بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

بعض نظمیں خالصتاً نجی نوعیت کی تھیں جو کسی ہنگامی واقعہ کی پیداوار تھیں۔ ان کا لہجہ اقبال کے آفاقی کلام کے لہجہ سے یکسر مختلف تھا، انھیں بھی ترک کرنا پڑا۔ بعض نظموں مثلاً "سپاسِ جنابِ امیرؓ"، "شکریہ انگشتری"، "پیشکش (بحضور سر سید علی امام مرحوم)"، "خطاب بہ تاجدارِ دکن"، "محمد علی (مولانا محمد علی مرحوم کی وفات پر)"، "مرثیہ اکبر الہ آبادی"، "گرامی کی وفات پر"، "مرگِ قوم"، "مقام خود شناس"، "منشی محبوب عالم کے سفر یورپ پر"، "اہلِ درد" اور "برگِ گل اور ماتم پسر" وغیرہم کے علاوہ آخری دور کی بعض چھوٹی چھوٹی نظموں، رباعیات اور قطعات میں علامہ نے مجموعی تاثر کو بہت اہمیت دی اور جو نظم ان کے اصل آہنگ سے مطابقت نہیں رکھتی تھی اسے اپنے کلام سے خارج کر دیا۔ ایسا کرتے وقت انھوں نے خاص طور پر اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھا کہ ایسے اشعار حذف کر دیئے جن میں ان کا مفہوم واضح طور پر ادا نہیں ہو پایا۔ کلام کو ترک کرتے وقت اقبال کی نظر اشعار کے فنی اور جمالیاتی پہلوؤں پر بھی رہی۔ خاص طور پر انھوں نے تکرارِ مضامین کا خیال رکھا اور کہیں کسی شعر میں کوئی ایسا خیال پیش ہو گیا جو اس نظم یا غزل کے کسی اور شعر میں آچکا تھا تو اسے بھی ترک کر دیا۔ آخری دور کے کلام کی اصلاح کرتے وقت علامہ نے یہاں تک احتیاط برتی کہ غزل میں حتی الواسع کوئی قافیہ دوسری دفعہ استعمال نہ ہونے پائے۔

اقبال کے پہلے دور کا وہ کلام جو ماہنامہ "مخزن" اور اُس دور کے رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوا تھا اور ان کی وہ غزلیں اور نظمیں جو اس زمانے کے متعدد مشاعروں اور جلسوں میں پڑھی گئی تھیں۔ وہ ان کے زمانۂ حیات میں کسی مرتب و مدون صورت میں شائع نہ ہو سکیں۔ ممکن ہے کہ انھیں دیگر اہم تصنیفات کی ترتیب و تدوین کی مشغولیت کے باعث اتنا وقت نہ ملا ہو کہ ان پر نظر ثانی کر کے انھیں اپنی نگرانی میں شائع کرا دیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ کلام ان کی باریک بیں نگاہ سے گر گیا ہو اور دوبارہ اشاعت کے قابل نہ سمجھا گیا ہو مگر اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ ان کا یہ کلام بھی ہنوز اکثر اصحاب علم کے کتب خانوں میں موجود ہے اور جس کسی کے پاس موجود ہے وہ اسے تبرک نایاب سمجھ کر اپنی تحویل میں محفوظ رکھتا ہے اور اپنے دوستوں کی محفلوں میں فخریہ پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اقبالؒ کی یہ نظم فلاں جلسہ میں پڑھی گئی تھی اور یہ غزل فلاں اور فلاں پرچے میں چھپ چکی ہے اور وہ پرچے میرے پاس محفوظ ہیں۔

خرم آں کس کہ دریں گرد سوارے بیند
جوہر نغمہ ز لرزیدن تارے بیند(📄📄)

–

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اقبال کے بعض اداشناس جب اپنی تصنیفات میں ان کے کلام کے نمونے پیش کرتے ہیں تو دو چار غیر مرتب یا غیر مطبوعہ غزلیں بھی شائع کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ان غزلوں کی خوبیوں اور بلاغتوں کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ "ہر چہ از یار می رسد نیکو است"(📄🗏)۔ ظاہر ہے جب اقبالؒ کی زندگی کے سب چھوٹے بڑے واقعات حتیٰ کہ ان کے ملازم علی بخش کے اطوار وعادات بھی شیدایانِ اقبال کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان کا ازیادرفتہ کلام بھی جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف ان کی اس دور کی زندگی کے جذبات وتصورات سے وابستہ ہے وہ لوگوں کی دلچسپی کا موجب نہ ہو سکے اور اسے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا جائے۔ اقبال کہتے ہیں کہ:

بہ کسے عیاں نہ کردم ز کسے نہاں نہ کردم
غزل آنچناں سردم کہ بروں فتادرازم(📄🗐)

–

رہا یہ سوال کہ جس کلام کو علامہ نے خود حذف کر دیا تھا اسے دوبارہ شائع کرنے کی کیا ضرورت؟ اس سوال کا جواب اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ یہ سمجھنا کہ اقبال نے کس خیال کے تحت ایسے بلند پایہ اور روح پرور کلام کو "اسرار و رموز" اور "پیامِ مشرق" میں شامل کرنے سے گریز فرمایا۔ یوں تو باآسانی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ایک وجہ علامہ کی نظر ثانی اور حُسنِ تنقید وانتخاب ہے لیکن اس جواب سے محققین کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ ان محزوفات میں ایک کثیر تعداد ایسے اشعار کی بھی پائی

جاتی ہے جو "پیامِ مشرق" کے اشعار کے مقابلے میں پست اور فروتر نہیں ہیں۔ پھر کس بنا پر ایسے معیاری کلام کو "پیامِ مشرق" میں درخور اشاعت نہیں سمجھا گیا۔ اس امر کی تحقیق کے لیے ہمیں اس دور کے ثقافتی ماحول اور سیاسی پس منظر پر نگاہ ڈالنی چاہیے جس سے متاثر ہونا اقبال جیسے فلسفی شاعر کے لیے ناگزیز تھا۔ یہ دور مسلمانانِ ہند کے لیے سخت ابتلا و آزمائش کا دور تھا جس کا سلسلہ بیسویں صدی کے آغاز سے لے کر 📂🖲📂🗐ء کے آخر تک رہا۔ اسی زمانے میں ہمعصر مخالف قوتیں حکومت انگلسیہ کا سہارا لے کر مسلمانوں کے جداگانہ وجود کو ختم کرانا چاہتی تھیں۔ اسی عہد میں اسلامیان ہند کو خودی کا بھولا ہوا سبق سکھانے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی نیو پڑی تھی۔ گردوپیش کے ان حالات کا اثر اقبال کے کلام پر پڑا۔ اقبال کی نظمیں اور اس عہد کی متعدد غزلیں وقتاً فوقتاً ملک کے مؤقر جرائد اور مستند رسائل اور گلدستوں میں زیبِ قرطاس ہوتی رہیں۔

جب "اسرارِ خودی" کی تدوین کا کام شروع ہوا تو حالات بدل چکے تھے اور جمود و تعطل کی جگہ کاروانِ ملت میں جوشِ عمل اور حصولِ مقصد کے لیے مجنونانہ بیخودی و سرمستی پیدا ہو چکی تھی۔ گو بظاہر تحریک خلافت کی ناکامی نے دلوں کو افسردہ اور حوصلوں کو پست کر دیا تھا تاہم مایوسی تھی کہ پاس نہ پھٹکتی تھی اور اُمید تھی کہ جس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ اقبال نے اس اندازِ فکر کی ترجمانی یوں فرمائی۔

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کند(📄🗄)

–

اور انھی حقائق کے پس منظر میں جب علامہ نے اپنے گذشتہ فارسی کلام پر نظر ڈالی تو اس میں بہت سی ایسی باتیں نظر آئیں جنھیں "اسرارِ خودی" میں شامل کرنا اگر غیر مناسب نہیں تو عین مصلحت بھی نہیں تھا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ان کے اپنے عجمی تصوف، سیاسی اغراض و مقاصد اور زاویہ ہائے فکر و نگاہ میں تجربات کی کشمکش اور حوادث کی آمیزش سے کچھ ایسا تغیر واقع ہوا تھا کہ جس کے پیشِ نظر سابقہ خیالات و احساسات کو تمام و کمال منظر عام پر لانا اقتضائے خلوص و نیک نیتی کے منافی تھا۔ بقول صاحبِ موجِ کوثر:

> "اُن کی نیچرل اور قومی نظمیں ساری قوموں میں مقبول تھیں اور خیال کیا جا رہا تھا کہ وہ ہندوستان کے بیدار شدہ سیاسی احساسات کا مظہر ہو گا لیکن اقبال نے خود اس قبولیت عامہ کو ٹھکرا کر اپنی شاعری کے لیے ایک علیحدہ راستہ اختیار کیا۔ جس میں دقتیں اور مخالفتیں تھیں لیکن جس کی ضرورت وہ خود سمجھتا تھا۔"(📄⌛)

اس احساس کے پیدا ہوتے ہی اقبال نے "اسرار و رموز" کے صفحات میں شدّ و مد سے کتر بیونت کی اور اس دوران میں بہت سے ایسے اشعار کا بھی قلع قمع کر دیا جنھیں مندرجہ بالا ذہنی افتاد سے کچھ سروکار نہیں تھا۔ اس مد میں وہ اشعار شامل ہیں جنھیں زیرِ نظر مجموعے میں جگہ دی گئی ہے۔ لیکن جیسا کہ اقبالؒ نے خود فرمایا ہے:

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود(📄🖮)

–

امتدادِ زمانہ اس نوع کے کلام اور اس کے اقدار کو گھن نہیں لگا سکا۔ 📂🖲🗐🖮ء کے لاثانی انقلاب نے جہاں تاریخ کے ایک اہم باب کا خاتمہ کر دیا، وہاں اس شدید ضرورت کا بھی احساس دلایا کہ نقوش ماضی کا آئینۂ حال میں مطالعہ کیا جائے اور جس ماضی کا تعلق اقبالیات سے ہو اس کو نظر انداز کرنا تاریخ کے ایک عظیم الشان پہلو سے، پہلو تہی کرنا ہے۔ مرزا غالبؔ نے اپنے کلام کا انتخاب شائع کیا تھا اور یہ لکھ دیا تھا کہ اس کے سوا کوئی میرا کلام پیش کرے تو ہرگز میرا کلام نہ سمجھا جائے مگر باوجود اس کے اُن کے پرستاروں نے ان کا یک ایک رُقعہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور شائع کیا۔ اس تلاش میں وہ نسخہ بھی دستیاب ہوا جو مرزا نے تحفتاً بھوپال کے فوجدار خاں کو پیش کیا تھا اور جو نسخۂ حمیدیہ کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں بعض ایسے نایاب اور بلند پایہ شعر نکلے جو انتخاب کے وقت مرزا کی نظر سے اوجھل تھے یا حافظے سے جاتے رہے تھے اور اس لیے مطبوعہ کلام میں شامل ہونے سے رہ گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ علامہ ممدوح کے سامنے ہوتا تو اس کا کس قدر حصہ وہ خود شائع کرتے۔

حوالہ جات

1. مولانا غلام رسول مہر، "سرودِ رفتہ" (مرتبہ)، (لاہور: کتاب منزل، 1959ء)ص72

2. ایضاً: ص86

3. ایضاً: ص96

4. گیان چند جین، ابتدائی کلامِ اقبال، (حیدرآباد: اردو ریسرچ سنٹر، 1988ء)ص

5. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، اسرارِ خودی (لاہور: کریمی پریس، 1918ء)ص7

6. ایضاً، ص47

7. ایضاً، بالِ جبریل (لاہور: تاج کمپنی برانڈرتھ روڈ، 1935ء)ص56

8. مولانا غلام رسول مہر، "سرودِ رفتہ" (مرتبہ)، (لاہور: کتاب منزل، 1959ء)ص14

9. ایضاً" ص16

10. سید مظفر حسین برنی، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (جلد اول)، (دہلی: اُردو اکادمی، 1991ء)ص268

11. سید مظفر حسین برنی، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (جلد اول)، (دہلی: اُردو اکادمی، 1991ء)ص288

12. ایضاً، ص298

13. گیان چند جین، ابتدائی کلامِ اقبال، (حیدرآباد: اردو ریسرچ سنٹر، 1988ء)ص158

14. ایضاً، ص112

15. عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال، (لاہور: بزمِ اقبال، 1955ء)ص75

16. ایضاً، ص85

17. سید مظفر حسین برنی، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (جلد اول)، (دہلی: اُردو اکادمی، 1991ء)ص261

18. ایضاً، ص258

19. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، ارمغانِ حجاز (مرتب) چوہدری محمد حسین، (لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز، 1938ء)ص105

20. مولانا غلام رسول مہر، "سرودِ رفتہ" (مرتبہ)، (لاہور: کتاب منزل، 1959ء)ص232

21. عطیہ فیضی، اقبال (مترجم) عبدالعزیز خالد (لاہور: آئینہ ادب، 1957ء)ص25

22. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: غلام علی اینڈ سنز، 1975ء)ص425

23. ایضاً، ص521

24. ایضاً، ص426

25. ایضاً، کلیاتِ اقبال اُردو (لاہور: غلام علی اینڈ سنز، 1975ء)ص474

26. شیخ محمد اکرام، موجِ کوثر (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2012ء)ص56

27. ایضاً، کلیاتِ اقبال اُردو (لاہور: غلام علی اینڈ سنز، 1975ء)ص354

28.